عظمیٰ سیٹھی
پی ایچ ۔ڈی اسکالر اردو
الخیر یونیورسٹی، بھمبر

مولانا شبلی نعمانی کی اسلوب نگاری__ ایک تحقیقی مطالعہ

Shibli is a prominent writer of Dabistane-e-Sir Syed. He merged a glory of realism & art in his writings. This essay reflects different dimensions of his writings.

لفظ اسلوب انگریزی زبان کے لفظ (Style) ہم معنی ہے۔ اسے لاطینی میں (Stylus) اور یونانی میں (Stylos) کہتے ہیں۔ ہندی میں اسے شیلی کا لفظ دیا گیا ہے۔

"لفظ اسلوب عربی لفظ اُسلوب (ا+ س+ل + و + ب) مذکر واحد سے مشتق ہے جس کی جمع اسالیب (ا+ س+ا+ل +ی + ب) مذکر ہے۔ اُردو میں بعض لوگ اُسلوب کے بجائے اَسلوب یعنی الف پر پیش کی بجائے زبر کی آواز سے تلفظ کرتے ہیں۔"(۱)

آکسفورڈ کی انگلش ڈکشنری کے مطابق لکھنے کے طریقے، بڑے سیاق میں اظہار کے طریقہ کار کو اسلوب کہتے ہیں۔ اس لغوی تعریف کی پیدائش "اسٹائیلس" لاطینی سے ہے جس کا مطلب قلم سے قلم کے استعمال کرنے کا ڈھنگ اسلوب ہے۔

انگریزی، روسی، فرانسیسی اور لاطینی میں لفظ اسٹائل (Style) وغیرہ مختلف شکلوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

"ہندی وشوکوش میں اسلوب کے لیے بہت سے الفاظ درج ہیں۔ حال، ڈھب، ڈھنگ، طریق، رواج، رسم، روایت، ضابطہ، طرز، طریقہ، فقرہ کی تشکیل کی نوع، سختی، کرختگی، ٹھوس، بت، مجسمہ، پتھر کی مورتی وغیرہ۔ ان سب لغوی تعریفوں کے بعد معروف عالم، لغت فارسی، لغت نامہ دھخدا کی تشریح بھی دیکھیں تو تمام تعریفوں کا حصار کئے ہوئے ہے۔"(۲)

اسلوب کی بہت سی لغوی وامکانی تعریفیں ہیں۔ مختلف ماہرین کہتے ہیں۔

"۱۔اسلوب کسی چیز کے ہونے کا ایک ڈھنگ ہے۔(ہنری حوریری)

۲۔اسلوب سے زبان میں معجزے کا امتزاج پیدا ہوتا ہے اور اسلوب میں بات کہنے کا ڈھنگ بھی شامل ہے۔(ارسطو)

۳۔اسلوب فنی خصوصیات یا قوتِ اظہار کا مترادف ہے۔(گرینی)

۴۔اسلوب فقرے کی باہمی تنظیم سے پیدا ہونے والی (Inter sentence) انفرادیت ہے۔(اسپورٹا اور ہل)

۵۔حسنِ کلام کی شناخت جس صفت سے ممکن ہو اسلوب ہے۔(مری)(۳)

اسلوب کی مختلف تعریفوں پر گہری نظر ڈالنے سے چار خاص نکتوں پر اسلوبیاتی مطالعہ مرتکز ہوتا ہے۔ یہ نکات مصنف، مقصدِ اظہار اور قاری کے اردگرد ایک دائرے میں گھومتے نظر آتے ہیں۔

''اسلوب لسانی اظہار کا وہ مخصوص ڈھنگ ہے جو فن کار کی شخصیت (انفرادیت) اور موضوع سے متعلق ہوتا ہے۔ اور جو اجتناب، انتخاب، خوبی، امتزاج، خوبی تناسب اور غیر موجود عناصر وغیرہ کے اظہار کے لیے غیر معمولی آلہ کار پر مبنی ہوتا ہے۔''(۴)

اسلوب ایسی نایاب چیز ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب اسلوب اس سے بھی نایاب تر چیز ہے اور ہزاروں میں ایک پیدا ہوتا ہے۔ جہاں تک انگریزی لفظ (Style) کا تعلق ہے اس کا اطلاق نظم ونثر دونوں پر ہوتا ہے۔ البتہ امتیاز کے لیے شاعرانہ طرز بیان کو (Poetic Style) اور نثری طرز بیان کو (Prose Style) کہہ دیتے ہیں۔

''اچھی تحریر، دلکش تحریر، خوبصورت تحریر، شُستہ، شائستہ اور رواں تحریر فنِ تحریر پر دسترس کا نتیجہ ہے جو محنت، لگن اور مشاقی سے حاصل ہوسکتی ہے لیکن اسلوب ان سے ماوراء شے ہے جس کا تعلق منفرد شخصیت اور بے مثال تخلیقی تخیل سے ہے۔''(۵)

مختلف ماہرین نے اسلوب کی مختلف اقسام بیان کی ہیں جو مختلف تعداد رکھتی ہیں۔ ان نقادوں نے باریک بینی کے علاوہ اسلوب کی روایتی قسمیں بیان کی ہیں جو بہت مشہور ہیں۔ ان میں سادہ اسلوب، سادہ سلیس اسلوب، سپاٹ اسلوب، علامتی اسلوب، تعقیدی اسلوب، رنگین مرصع اسلوب، محاوراتی اسلوب، خطیبانہ اسلوب، استعاراتی اسلوب اور محاکاتی اسلوب شامل ہیں۔ اسلوب کی مذکورہ اقسام کے علاوہ مغرب سے مشرق تک اسالیب کی کل اکیس متنازعہ فیہ قسمیں متعین ہوتی ہیں۔

۱۔تعقیدی اسلوب ۲۔مذہبی اسلوب ۳۔مقفٰی، مسجع، مرجز اسلوب
۴۔تمثیلی حکایتی اسلوب ۵۔رنگین مرصع اسلوب ۶۔محاوراتی اسلوب
۷۔بنیادی اسلوب ۸۔سپاٹ وسادہ اسلوب ۹۔بیانیہ اسلوب
۱۰۔توضیحی اسلوب ۱۱۔انا نیتی اسلوب ۱۲۔شگفتہ یا تاثراتی اسلوب
۱۳۔طنزیہ یا ظرافت آمیز اسلوب ۱۴۔خطیبانہ اسلوب ۱۵۔حکیمانہ/فلسفیانہ اسلوب
۱۶۔مرقع نگاری یا محاکاتی اسلوب ۱۷۔استعاراتی اسلوب ۱۸۔اسلوبِ جلیل
۱۹۔علامتی اسلوب ۲۰۔ہیجانی، ماورائی یا منتشر خیالی کا شکستہ اسلوب ۲۱۔امتزاجی اسلوب

اسلوب صرف خارجیت نہیں بلکہ داخلیت کا معاملہ بھی ہے۔

''سٹائل صرف خارجی چیز نہیں بلکہ اس کا ایک داخلی پہلو بھی ہے جس کی وجہ سے اس میں انفرادیت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اسلوب مکمل ہو جائے تو ایک طرز خاص یا طرز مطلق اس سے وجود میں آ جاتی ہے جو صرف اُسی خاص مصنف سے مخصوص ہوتی ہے ہر کوئی اس کی تقلید نہیں کر سکتا۔''(۶)

ہر مصنف کا اسلوب جداگانہ ہوتا ہے۔ اسلوب کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عبارت کس مصنف کی ہے۔

''لفظوں کا انتخاب، فقروں کی چُستی اور جملوں کی ساخت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ گل کاری کس مصنف کی ہے۔''(۷)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلوب کا تعلق زیادہ تر شخصیت سے ہے اسی لیے مختلف ادیبوں کے اسلوب میں فرق ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تسلیم کرنا ہوگی کہ اسلوب پر دور کا بھی اثر پڑتا ہے۔

''اسلوب شخصیت کا بھی آئینہ ہے اور ماحول کا بھی پرتو ہے مثال کے طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ کارلائل کا ایک مخصوص اسلوب ہے۔ لیکن اگر کارلائل ایڈیسن کے عہد میں ہوتا تو اس کی تحریر اس سے کچھ مختلف ہوتی۔''(۸)

اسلوب کسی خاص عہد کا نہیں انفرادی مسئلہ ہے البتہ یہ بات درست ہے کہ ہر عہد میں صرف چند فن کار ایسے ہوتے ہیں جو اپنی افتادِ طبع کے باعث نئے اسالیب بیان کو جنم دیتے ہیں۔

''مثال کے طور پر اُردو شاعری کی ابتدا میں ولی دکنی ہی واحد سٹائلسٹ (Stylist) تھا اور ان کے عہد کے باقی شعراء تو اس کے مقلد تھے یا روایت پسند۔ اسی طرح آگے چل کر سودا، میر، درد، میر حسن اور نظیر اکبر آبادی صاحبانِ اسلوب تھے۔''(۹)

دراصل اسلوب فکر و معانی، صورت و ہیئت اور مافیہ و پیکر کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ طرزِ بیان یا اندازِ نگارش کو محض اسلوب کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اسلوب کے مختلف معانی ہیں۔

اسلوب کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں۔ پروفیسر مرے کہتے ہیں:

''اسلوب کی جو تعریفات کی گئی ہیں، وہ اگر گمراہ کن نہیں تو ناقص ضرور ہیں۔ مثلاً اسلوب کی یہ تعریف کہ مصنف کی مکمل شخصیت کا دوسرا نام اسلوب ہے، بظاہر بہت معنی خیز معلوم ہوتی ہے لیکن تجزیہ کرنے سے تسلی بخش معانی ہاتھ نہیں آتے۔''(۱۰)

اسلوب کے متعلق جتنے مباحث ہیں اس کے مطابق اسلوب تشکیل دینے کے لیے الفاظ کے انتخاب، تراکیب و تشبیہات، پارہ بندیوں کا خیال اور توقیف کے صحیح استعمال کا ہونا لازمی امر ہے۔ سیموئل بٹلر کہتے ہیں:

''فن کار کو چاہیے کہ وہ اپنی تحریر میں زور، اختصار اور حسنِ تعبیر کی صفات پیدا کرے (کہ بری چیز بھی اچھی معلوم ہو) (۳)۔ وہ ایک فقرے کو تین چار بار لکھ کر دیکھے گا کیونکہ اس سے کم مشق میں بات نہیں بنے گی۔''(۱۱)

اسلوب کے لازمی عناصر میں شخصیت، ہیئت، صفات، صفاتِ جذباتی، صفات تخیلی اور جمالیاتی صفات شامل ہیں۔ اسلوب میں انتقادی زبان، مختلف معانی، فن کار کا خلوص، الفاظ اور معانی کا رشتہ، مترادفات و مرادفات، جدتِ ادا، حسن ادا کا ہونا لازمی امر ہے۔ اسلوب کی صفات میں سادگی، قطعیت، اختلال حواس، اختصار ہو، تب ہی ایک منفرد اسلوب تخلیق ہوتا ہے۔ اسلوب کی جذباتی صفات میں زورِ بیان، گداز، مزاح، بذلہ سنجی شامل ہوں تب ہی ایک اسلوب پُر اثر اور انفرادی مقام بنا سکتا ہے۔ اسلوب کی تخلیقی صفات میں صاحب اسلوب میں شاعری کا عرفان، تجسیم، فریبِ چشم ساقی، جنون، تخیل، مجاز و تشبیہہ، استعارہ، خیال افروزی اور تصویریت پائی جانی امر لازم ہے۔ ایک خوبصورت اسلوب کی تشکیل جمالیاتی صفات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ نغمگی، ترنم اور اضافت اس کی بنیاد ہیں۔

اسلوب نگار کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا روئے سخن عالم کی طرف ہے۔ اگر فن کار کوشش کرے گا تو اسے اپنے ذخیرہ الفاظ میں بڑے نادر، اعلیٰ درجے کے نفیس الفاظ ملیں گے اور انہی کے صحیح استعمال سے اس کے اسلوب کی انفرادیت ابھرے گی۔

''اچھا فن کار اس بات سے نہیں پہچانا جاتا کہ اس نے کون کون سے الفاظ برتے بلکہ اس کی انفرادیت

یوں ابھرتی ہے کہ دریافت کیا جائے کہ اس نے معانی کے کون سے پہلو اور متعلقہ الفاظ حذف کر دیے کہ اختصار کلام کی جان ہوتا ہے۔'' (۱۲)

ہم آسان اور سادہ کیوں نہیں لکھتے ؟ اور مشکل کیوں، پیچیدہ کیوں نہیں لکھتے ! سادہ اور آسان لکھنا آسان نہیں ہے۔ اول تو لکھنے والے کو زبان اور خیال پر قدرت ہونی چاہیے ہر صفحہ کاغذ ہر الفاظ موتی کی طرح ڈھلکتا ہوا نظر آئے۔ اسلوب کی سادگی سے ہمارے خیالات لوگوں تک سہل انداز میں پہنچتے ہیں۔

''ہم کیوں لکھتے ہیں؟ اس لیے تا کہ خیالات دوسروں تک پہنچا سکیں اور لوگ ان سے مستفید ہوں، تو جتنی زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ ہماری تحریر کو پڑھیں گے اسی نسبت سے اس کا فائدہ بھی زیادہ ہو گا اور یہ مقصد اس وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ تحریر آسان زبان میں ہو۔'' (۱۳)

ادبی نگارشات کا بنیادی تصور اسلوب ہی ہے۔ اسلوب (Style) کوئی نیا لفظ نہیں ہے۔ مغربی تنقید میں یہ لفظ صدیوں سے رائج ہے۔

''اُردو میں اسلوب کا تصور نسبتاً نیا ہے، تاہم ''زبان و بیان''، ''انداز''، ''اندازِ بیان''، ''طرز بیان''، ''طرزِ تحریر''، ''لہجہ''، ''رنگ''، ''رنگ سخن'' وغیرہ جیسی اصطلاحیں اسلوب یا اس سے ملتے جلتے معنی میں استعمال کی جاتی رہی ہیں۔ یہ سب اصطلاحیں، شاعر یا مصنف کے اندازِ بیان کے خصائص، کسی صنف یا ہئیت کی زبان واستعمال، کسی عہد کی مخصوص زبان اور اس کے خصائص۔ یہ سب اسلوب کے مباحث ہیں۔ ادب کی کوئی پہچان اسلوب کے بغیر مکمل نہیں۔'' (۱۴)

حالی کے بعد اُردو ادب کی تاریخ میں مولانا شبلی نعمانی کا نام آتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی دبستانِ سرسید کے نامور فرزند ہیں ۱۸۵۷ء میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بندول میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ اور پھر غازی پور جا کر حاصل کی۔ رام پور اور لاہور اورینٹل کالج کے اساتذہ سے استفادہ کیا۔ علم کی غرض وتکمیل کے لیے کسی سفرِ حضر سے دریغ نہ کیا۔ عربی، فارسی، ادب، لغت، شاعری، تنقید، اور مذہبیات میں بڑی وسعت نظر پیدا ہو گئی۔ سفر حجاز بھی کیا، بہت مذہبی تھے۔ درس وتدریس کا شغل بھی جاری رہتا تھا لیکن زندگی کا کوئی خاص راستہ متعین نہ ہوا تھا۔ وکالت کا امتحان بھی پاس کر چکے تھے مگر طبع اس پیشے سے منسلک نہ ہو سکی۔ مضمون نگاری اور شاعری کی طرح متوجہ ہو گئے۔ علی گڑھ اپنے چھوٹے بھائی سے ملنے گئے تو سرسید سے ملاقات ہوئی۔

''سرسید بڑے مردم شناس تھے۔ انہوں نے چند ملاقاتوں میں شبلی کی صلاحیت اور لیاقت کا اندازہ لگا لیا تھا اور شبلی کو کالج کے فارسی کے شعبے میں لے لیا۔'' (۱۵)

سرسید کے کتب خانے میں موجود تمام عالم کی مطبوعات بشمول مصر اور یورپ کے شبلی نے پڑھ ڈالیں۔ وسعتِ نظر پیدا ہو گئی۔ شبلی نے پروفیسر آرنلڈ کے ساتھ قسطنطنیہ کا سفر بھی کیا اور اسلام کے مشہور کتب خانوں سے استفادہ کیا اور سفر کا حال ایک سفرنامے میں بھی لکھا۔ شبلی مذہب اور سیاست دونوں میں آزاد خیال تھے شبلی نے اُردو کی بڑی خدمت انجام دی۔

''بحیثیت مجموعی شبلی کی تصانیف کے دو مقاصد معلوم ہوتے ہیں اول تو یہ کہ مسلمانوں کو ان کی گذشتہ تاریخ اور علمی کارناموں سے باخبر رکھا جائے تا کہ وہ تلاش علم اور فضل وکمال کو اپنی گمشدہ میراث

سمجھیں۔ دوسرے یہ کہ اسلام، بانی اسلام اور مسلمانوں پر جو اعتراضات متعصب مؤرخین نے کیے تھے ان کا مدلل اور محققانہ جواب دیا جائے، اس طرح شبلی نے ایک بہت اہم ملی خدمت انجام دی۔"(۱۶)

شبلی اُردو کے ارکانِ خمسہ میں سے وہ منفرد مصنف ہیں جنہیں جامع العلوم کا لقب دیا جا سکتا ہے۔ موضوعات کے تنوع کی بنا پر جامع الصفات اور جامع الجہات کہلانے کے مستحق ہیں۔ ادب کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس میں انہوں نے اپنا سکہ نہ منوایا ہو۔

شبلی کی تصانیف کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے ان کی تقسیم کچھ یوں ہے۔

۱۔ سیرت وسوانح نگاری: المامون، سیرۃ النعمان، الفاروق، سوانح مولانا روم، سیرۃ النبیؐ۔

۲۔ فلسفہ وعلم الکلام: علم الکلام، الغزالی ۳۔ تاریخ وتنقید اور ادب: موازنہ انیس و دبیر، شعر العجم

۴۔ سفرنامہ: سفرنامہ مصر و روم و شام ۵۔ تاریخ اسلام: اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر

۶۔ تعلیمات: مضامین ومقالات علمی، ادبی، تنقیدی، تاریخی، سوانحی ۷۔ خطوط

۸۔ اُردو نظم: مثنوی صبحِ اُمید، قومی مسدس، مجموعہ اُردو کلام ۹۔ فارسی نظم: دستۂ گل، بُوئے گل

اس کے علاوہ عربی میں بھی کئی کتابیں ہیں۔

شبلی کا اندازِ تحریر بہت منفرد ہے۔

"شبلی اپنے اندازِ تحریر کے لیے بھی معاصرین میں منفرد ہیں۔ اس کے یہاں آزاد کی طرح محض الفاظ کے طوطا مینا اُڑانے کا جذبہ نہیں ہے لیکن آزاد کا زور بیان اور قدرتِ کلام ان کے یہاں موجود ہے۔ مولوی نذیر احمد کا محاورہ بندی کا شوق شبلی کے یہاں نہیں ہے لیکن اُن کی زبان یکساں طور پر خاص وعام کی پسند ہے۔"(۱۷)

سرسید کے ارکان ودبستان میں شبلی ہی وہ منفرد شخص ہیں جو انگریز یا انگریزی ادب سے کما حقہ واقفیت کے باوجود معذرتی لہجہ اختیار نہیں کرتے۔ شبلی کا اسلوب جداگانہ ہے۔

"اسلام، بانی اسلام یا مشاہیر اسلام پر کسی کی جانب سے اعتراض کیا جائے تو پھر شبلی کا اسلوب اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ دنیا کے کسی حصے کے مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی۔ شبلی کا قلم جولانیاں دکھانے لگا۔"(۱۸)

شبلی کی تحریر واسلوب بیان میں بہت سی خوبیاں ہیں ان میں سب سے نمایاں اور بنیادی وصف آپ کے اسلوب کا جوشِ بیاں اور قوت ہے جو ان کے احساس عظمت اور احساسِ کمال کی پیداوار ہے۔

"ان کی تحریر پڑھ کر قاری کی طبیعت میں ایک جوش اور ہیجان پیدا ہو جاتا ہے ان کا اسلوب ان کے موضوع کا تابع ہے ان کی تحریروں میں جوش اور ولولہ اپنے شباب پر نظر آتے ہیں۔"(۱۹)

ایجاز واختصار شبلی کی تحریروں کی دوسری بڑی خصوصیت ہے۔ اسلوب بیانِ نظم ونثر میں ایجاز واختصار بنیادی خوبی سمجھی جاتی ہے۔ اس سے مراد بڑی سے بڑی بات کو مختصر سے مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کرنا کہ قاری فوری طور پر اصل مفہوم تک پہنچ سکے۔

"شبلی کو یہ فن آتا ہے ان کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں وہ جہانِ معنی پوشیدہ ہوتے ہیں جو کئی پیراگرافوں میں بھی نہیں سما سکتے۔ بیان کے اختصار کے لیے وہ شاعرانہ وسیلوں (تشبیہ، استعارہ،

مراعاۃ النظیر اور مبالغہ وغیرہ) سے بھی کام لیتے ہیں۔''(۲۰)

محاورات کا استعمال کرتے ہیں مگر اسے عبارت کا عیب نہیں بننے دیتے۔شبلی کی نثر میں آزاد کی نثر کی طرح ایک شاعرانہ فضا چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔آپ کے اسلوب بیان میں استدلال، منطق اور فلسفے کے باوجود خشکی پیدا نہیں ہوتی انداز و پیرایہ اظہار ہمیشہ شاعرانہ رہتا ہے۔شوخی و نکتہ آفرینی کے ساتھ ساتھ طنزیہ پیرایہ بیان بھی آپ کے اسلوب کا نمایاں پہلو ہے۔

''شبلی کی تحریروں میں ایک عالمانہ وقار پایا جاتا ہے۔ ان کی تحریروں میں سرسید، نذیر احمد اور آزاد کی تحریروں کی طرح کھلی ظرافت بھی نہیں ہے تاہم شوخی و نکتہ آفرینی کی کمی نہیں۔''(۲۱)

شبلی دبستانِ سرسید سے تعلق رکھنے والے ہر ادیب کی طرح ایک مقصدی ادیب ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے شاندار ماضی سے آگاہ کر کے حال میں ترقی کا راستہ دکھانا شبلی کا مطلوب و مقصود تھا۔شبلی کے اسلوبِ بیان میں تہذیبی احساس کا رچاؤ، تخیل کا عنصر اور بے ساختگی کے نمونے جابجا نظر آتے ہیں۔ بے ساختگی سرسید، حالی اور شبلی کی تحریروں اور اسلوب اظہار کا مشترکہ وصف ہے مگر ہر ایک کی بے ساختگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

''شبلی کی بے ساختگی اُن دونوں سے الگ ہے اس بے ساختگی میں کوئی عیب نہیں اس میں سادگی ہے، چستی ہے، وہ ہر بات بے ساختہ کہتے چلے جاتے ہیں۔ ایک لفظ بھی کہیں بلا ضرورت نظر نہیں آتا۔''(۲۲)

شبلی کی نثر میں آہنگ کے انداز سے اثر پیدا ہوتا ہے۔ موزوں کلام اور آہنگ صرف شاعری میں نہیں ہوتا بلکہ نثر میں بھی آہنگ و موسیقیت پائی جاتی ہے۔ شبلی کے اسلوب میں آہنگ کا روپ منطقی اور استدلالی ہے۔ اسلوب کا انداز وکیلانہ اور استدلالی ہونے کے باعث خطیبانہ رنگ بھی اختیار کرتا ہے۔

''شبلی کے یہاں آہنگ کا جو روپ ہے وہ منطقی ہے۔ گویا کہیں کہیں وہ مدرسانہ طریق بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی تحریروں کا اتار چڑھاؤ عام طور پر منطق کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔''(۲۳)

شبلی مخصوص اسلوبِ نگارش کے مالک ہیں بہت ہی باوقار طریقے سے، موسیقیت کے ساتھ نہایت دلکش انداز میں چھوٹے چھوٹے جملوں سے طنزیہ پیرایے میں اپنا مقصد بیان کرتے جاتے ہیں۔

''شبلی کا طرزِ بیان، مخصوص اندازِ نگارش یہ ہے کہ سیدھے سادے طریقے سے مگر عالمانہ وقار کے ساتھ بڑے بڑے عقدوں کی گرہیں اور پیچ کھولتے جاتے ہیں۔ اور اس کے اندر ہی موقعہ پا کر چوٹ کرنے، وار کرنے اور چٹکی لینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ وہ بڑے دلپسند انداز میں طنزیہ پرایہ بیان استعمال کرتے جاتے ہیں۔ تمام مطالب کو اس انداز سے پیش کر دیتے ہیں کہ سننے والا دیر تک محظوظ ہوتا رہتا ہے۔''(۲۴)

شبلی کی ہر تصنیف تاریخی بیانات کا درجہ رکھتی ہے۔ شبلی کی لکھی ہوئی سوانح عمریاں، تاریخی سوانح عمریاں کہلاتی ہیں۔ اسلوب بیان کے اعتبار سے ایک مؤرخ کا اسلوب، سوانح نگار کے اسلوب سے مختلف ہوتا ہے اور شبلی کے اسلوب بیان اصناف ادب کے حوالے سے مختلف اسالیب بیان پر مہارت رکھتے ہیں۔ شبلی بحیثیت شاعر، بحیثیت نثر نگار، مذہبی مصنف، مفکر تعلیم، مقالہ نگار، نقاد، مکتوب نگار اور انشاء پرداز تمام حیثیتوں میں منفرد و مخصوص اسلوب رکھتے ہیں۔

''ہم شبلی کو زیادہ تر سوانح نگار یا مؤرخ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔لیکن ان کی نثر نگاری کا اسلوب یا انشاپردازی ان سب حیثیتوں سے جامع ہے۔''(۲۵)

شبلی کی طرزِ تحریر یعنی اسلوب بیان میں ہمواری کلام اس کی خاص خوبی ہے اگرچہ موقع ومحل کے لحاظ سے زبان بدل جاتی ہے لیکن موضوع سے ہم آہنگی، متانت واثر کو کم نہیں ہونے دیتی۔سادگی نمایاں ہے۔

''آپ کا اسلوب بیان ایسا ہے کہ بلند سے بلند مضامین سلیس اُردو کے ساتھ لکھے جا سکتے ہیں۔ عبارت میں ایک خاص وصف یہ ہے کہ جو مزہ تقریر سے حاصل ہوسکتا ہے وہ آپ کی تحریر میں بھی قائم رہتا ہے۔''(۲۶)

حالی نے پُرانی تنقید سے الگ ہو کر نئی تنقید کی ابتدا کی۔بطور نقاد شبلی نئی اور پرانی تنقید کے بیچ معلق نظر آتے ہیں۔

''شبلی کا زاویۂ نگاہ شبلی کی تنقید کا ساز و سامان، شبلی کا اسلوب ان سب چیزوں میں پرانی تنقید کی صاف کارفرمائی ہے۔نئی تنقید کے اصول، نئی تنقید کا زاویہ نظر، نئی تنقید کی تکنیک، یہ سب چیزیں کہیں نہیں ملتیں۔''(۲۷)

شبلی کے اسلوب کی سنجیدگی، پُرتمکنت رنگینی ورعنائی انہیں سرسید کے دوسرے رفقاء سے ممتاز کرتی ہے۔ان کے اسلوب کی بے ساختگی، رومانویت، فطری لب ولہجہ اورحسنِ ترتیب اسے انفرادیت عطا کرتی ہے۔شبلی کی زبان خواص کی ہونے کے باوجود خاص وعام میں سمجھی اور پسند کی جاتی ہے۔

''انہوں نے سادہ وعام فہم زبان کے تقاضے پورے کیئے اور اپنے اسلوب کو جدید بنا دیا۔اس وقت کے فکر ونظر کی تبدیلی کی جو چوٹ اسالیب پر پڑ رہی تھی اس کا اثر شبلی پر بھی تھا۔انہوں نے فرد کی اہمیت کو سمجھا اور زبانِ خاص کو بھی عام فہم بنانے کی کوشش کی۔''(۲۹)

شبلی نے یہ جانتے ہوئے کہ ان کا مخاطب ایک عملی طبقہ ہے۔الفاظ کا انتخاب، جملوں کی ساخت اور تراکیب کو بڑی ہنر مندی سے پیش کیا۔ان کی نثر میں رنگینی وشگفتگی کے ساتھ ساتھ طنزوظرافت بھی پائی جاتی ہے۔ان سب کے ساتھ ساتھ متانت، سنجیدگی، وقار، چستی، بے ساختگی، خوش مزاجی اور خوش طبعی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔شبلی کے اسلوب کے ان دلکش رنگوں کے بارے میں سید عابد علی عابد کا خیال نہایت اہم ہے:

''شبلی نے مجرد منطقی فکر کو مصورانہ اور شاعرانہ تخیل میں سمو کر ایک ایسا دلکش اسلوب بیان ایجاد کیا جس نے ان کی تحریر کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا یہ اسلوب تخیل سے تاریخ کے گوشوں پر عقل کی روشنی ڈالتا ہے۔فکر کے بے رنگ خاکوں میں متفرق رنگ بھرتا ہے۔''(۳۰)

شبلی کے مقالوں میں قوتِ استدلال، علمیت، تحقیقیت، زوردار طرز تحریر کے ساتھ ساتھ سادگی وپرکاری دونوں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔آپ کی انشاپردازی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔جو اسلوب کا خاصہ ہے۔

''موازنہ انیس ودبیر'' میں انشاپردازی کا کمال تنقید کو بھی تخلیق بنا دیتا ہے۔اور تنقید کا اگر کہیں انداز پایا جاتا ہے تو انشا پردازی کا حسن تنقید کی کتاب ہونے کے باوجود اس میں حسن بکھیر دیتا ہے۔''(۳۱)

شبلی نے اپنی تحریروں میں سادگی اور جملوں کی اجزائے ترکیبی پر توجہ دی ہے مختلف مثالوں کے علاوہ ''شعرالعجم'' میں بھی

اس کے نمونے ملتے ہیں۔شبلی کی دوسری تنقیدی تحریروں کی طرح شعرالعجم میں تنقید کرتے ہوئے کہیں کہیں اعتدال کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

> ''شعرالعجم '' تنقیدی کتاب ہوتے ہوئے بھی تنقید کی کتاب نہیں رہی بلکہ فارسی زبان کی تاریخ بن جاتی ہے۔ اس میں ان کا اسلوب حالی کی طرح خالص تنقید کا اسلوب نہیں رہ پاتا۔ کیونکہ ان کا شاعرانہ مزاج اور انشاء پردازی اس راہ میں حائل ہوتے ہیں وہ الفاظ اور آواز کی نغمگی کے رمز سے واقف تھے۔اس کا احساس ان کی تحریروں میں بھی ہوتا ہے۔''(۳۲)

ان کی شخصیت کے برعکس ان کی نثری آہنگ میں جوش وجلال کی بجائے ایک دھیما پن پایا جاتا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے جملے ان کے خطوط میں بھی پائے جاتے ہیں جو اُن کے اسلوب کا خاصہ ہے۔شبلی کی ہر تحریر سے ان کی شخصیت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن شبلی بطور مکتوب نگار اس فن کے تقاضے پورے کرتے دکھائی نہیں دیتے۔

> ''ان کی شخصیت کے بعض گوشے عطیہ فیضی اور زہرہ فیضی کے خطوط میں ضرور بے نقاب ہوتے ہیں لیکن ان خطوط میں ان کی انشا پردازی کا وہ کمال نظر نہیں آتا جو ان کی دیگر تحریروں میں ملتا ہے۔ البتہ ان کے اسلوب میں ارتقائی مدارج پائے جاتے ہیں۔شبلی سوانحی، تاریخی اور تنقیدی خدمات کی بنا پر بہت سی خامیوں کے باوجود ایک انشاپرداز اور صاحبِ طرز نثر نگار تھے اور آزاد کے بعد اُردو کے بڑے انشا پردازوں میں ان کا شمار کیا جا سکتا ہے۔''(۳۳)

مؤرخ، نقاد، سوانح نگار اور شاعر، ان سب حیثیتوں میں شبلی منفرد و یکتا اسلوب رکھتے ہیں۔ بطور نقاد شعروشاعری کے بارے میں آپ کے خیالات شعرالعجم اور موازنہ انیس ودبیر میں ملنے کے علاوہ آپ کے مقالات وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔ سوانح مولانا روم میں بھی کچھ اشارے اس بابت نظر آتے ہیں۔ ان کا اہم تنقیدی موضوع شعروشاعری کی ماہیت اور اس کے عناصر ترکیبی ہیں۔ اگرچہ فنونِ نثر کے بارے میں کافی کچھ لکھا ہے۔شبلی کی رائے میں شعر کی تعریف یہ ہے:

> ''جو جذبات الفاظ کے ذریعے ادا ہوں وہ شعر ہیں۔'' یا ''جو کلام انسانی جذبات کو برانگیختہ کرے اور ان کو تحریک میں لائے وہ شعر ہے۔''(۳۴)

شبلی کے اسلوب میں فصاحت وبلاغت کو اعلیٰ درجے کی حیثیت حاصل ہے۔شبلی کے مطابق فصاحت الفاظ درحقیقت فصاحت کا ابتدائی درجہ ہے۔ اصلی اور اعلیٰ درجے کی بلاغت، معانی کی بلاغت ہے۔شبلی نے فصاحت کی بحث کو لفظوں کے حسن کے ساتھ ہم رشتہ کر دیا۔ بلاغت کو کُل اور فصاحت کو اس کا جزو قرار دیتے ہوئے کہا:

> ''بلاغت اور فصاحت کو باہم حریف قرار دینا اجتماع نقیضین ہے۔''(۳۵)

شبلی نے شاعری میں مبالغے کی اہمیت وحیثیت پر بھی بحث کی ہے اور اپنے مخصوص اسلوب بیان سے کام لیتے ہوئے مخصوص نکات کی نشاندہی شاعری کے حوالے سے بھی کی ہے آپ نے شاعری مبالغے کے بارے میں خیالات کا اظہار کچھ یوں کیا ہے۔

> ''شاعری میں مبالغہ اگر جائز ہے تو صرف تخیلی شاعری میں۔''فلسفیانہ، اخلاقی، تاریخی، نیچرل شاعری میں مبالغہ بالکل لغو چیز ہے۔ ان کی رائے میں مبالغہ میں،''حسن'' تخیل کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ

جھوٹ کی وجہ سے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شاعری میں مبالغہ تمدن کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے۔"(۳۶)

شعر کی تاثیر، شعری موسیقیت اور انسانی جذبات کا ذکر کرتے ہوئے شبلی اپنے مخصوص اندازِ اسلوب کی نمائندگی کرتے ہیں اور جذبات کی اہمیت بیان کرتے ہیں۔

"جذبات اگر مٹ جائیں تو "دفعتہً" سناٹا چھا جائے۔ دنیا قالبِ بے جان، شرابِ بے کیف، گل بے رنگ، گوہر بے آب ہو کر رہ جائے۔"(۳۷)

شبلی کے مطابق محاکات نگاری اور تاثیر اچھے شعر کے دو بنیادی وصف ہیں۔

"محاکات کو شبلی نے ان معنوں میں استعمال کیا ہے کہ جن معنوں میں آج کل امیجری کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی نے حالی سے الگ ہٹنے کی کوشش بھی کی ہے۔"(۳۸)

شاعری میں محاکات نگاری کی اہمیت شبلی کے نزدیک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

"شاعری کے اصلی عناصر ان کے نزدیک محاکات اور تخیل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اُن کو اس بات کا اعتراف ہے کہ شاعری میں کئی چیزیں ہوتی ہیں مثلاً وزن، خیال بندی، شیریں اور سادہ الفاظ، طرزِ ادا کی جدت وغیرہ۔ لیکن محاکات اور تخیل کے بغیر شعر کو شعر کہا ہی نہیں جا سکتا۔"(۳۹)

شبلی اُردو ادب میں اسلوب نگاری میں اپنا منفرد و یکتا مقام رکھتے ہیں اور اُردو کے ادبی اسلوب کی روایت کو استوار کرنے میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

"علامہ شبلی شاعر بھی ہیں اور ادیب و انشاء پرداز بھی، مؤرخ اور سوانح نگار بھی ہیں اور نقاد بھی۔ ان کے اسلوب کی خوبی، رعنائی خیال اور حسنِ بیان ہے کہ اکثر ان کی نثر میں بھی شاعری کا حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اُردو میں علمی تحقیق کی جو روایت قائم کی اس کے نمونے ان کے مضامین ومقالات میں جابجا ملتے ہیں۔"(۴۰)

شبلی کے اسلوب میں ایک مخصوص طرز کی جدت اور اُپج ہے اس کے اثرات ان کی تاریخ نگاری، سوانح نگاری، مقالہ نگاری، تنقید نگاری، مکتوب نگاری، انشاپردازی، شاعری اور تمام اصناف میں نظر آتے ہیں۔ ان کے جمالیاتی ذوق نے ان کی اسلوب نگاری کو ایک منفرد دلکشی، ذوق کی بلندی اور احساس حسن بخشا ہے اور آپ کی حیثیت و مقام ایک معیاری اور اعلیٰ اسلوب نگار کی حیثیت سے اُردو ادب کی تاریخ میں ہمیشہ ممتاز رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ طارق سعید، اسلوب اور اسلوبیات، لاہور، نگارشات، ۱۹۹۸ء ص ۱۶۴

۲۔ ایضاً ص ۱۶۸ ۳۔ ایضاً ص ۱۶۹ ۴۔ ایضاً ص ۱۷۷ ۵۔ ایضاً ص ۱۸۲

۶۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشاراتِ تنقید، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء ص ۲۶۹

۷۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، ادب کا تنقیدی مطالعہ، لاہور، جلد، شمارہ، ماہ و سال، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۴ء ص ۲۵

۸۔ ایضاً ص ۳۴

۹۔ رشید امجد و فاروق علی، مرتبین؛ پاکستانی ادب، راولپنڈی، فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج، جنوری ۱۹۸۸ء، ص ۳۴۲۔۳۴۳

۱۰۔ عابد علی عابد، سید، اسلوب، لاہور، سنگ میل پبلیکشنز، ۲۰۱۱ء ص ۴۱

۱۱۔ ایضاً ص ۵۸ ۱۲۔ ایضاً ص ۳۵

۱۳۔ آمنہ صدیقی، افکارِ عبدالحق، کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۲ء ص ۸۵

۱۴۔ گوپی چند نارنگ، ادبی تنقید اور اسلوبیات، لاہور، سنگ میل پبلیکشنز ۲۰۰۸ء ص ۱۴

۱۵۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، اُردو کی ادبی تاریخ کا خاکہ، کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، س ن، ص ۶۸۔۶۷

۱۶۔ ایضاً ص ۲۷ ۱۷۔ ایضاً ص ۷۲

۱۸۔ حفیظ الرحمان و عبدالعزیز بلوچ، تعارف۔ مشاہیر نظم و نثر، ملتان، کاروانِ ادب، ۱۹۷۸ء ص ۵۸

۱۹۔ ایضاً ص ۵۹ ۲۰۔ ایضاً ص ۵۹ ۲۱۔ ایضاً ص ۶۱ ۲۲۔ ایضاً ص ۶۲

۲۳۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، طیفِ نثر، لاہور، م ن، ۱۹۶۳ء ص ۲۶۶

۲۴۔ ایضاً ص ۲۷۶ ۲۵۔ ایضاً ص ۲۳۴

۲۶۔ اعجاز حسین، ڈاکٹر، مختصر تاریخ ادب اُردو، کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۱ء ص ۳۲۵

۲۷۔ اصغر علی شاہ جعفری، مرتبہ؛ شعورِ تنقید، لاہور، سنگِ میل پبلیکشنز ۱۹۶۸ء ص ۱۱۲

۲۸۔ طیبہ خاتون، ڈاکٹر، اردو نثر کی داستان، میر پور آزاد کشمیر، ارسلان بکس، ۲۰۰۸ء ص ۲۳۵۔۲۳۴

۲۹۔ ایضاً ص ۲۳۵ ۳۰۔ ایضاً ص ۲۳۶ ۳۱۔ ایضاً ص ۲۳۸ ۳۲۔ ایضاً ص ۲۳۹

۳۳۔ ایضاً ص ۲۴۰

۳۴۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، اشاراتِ تنقید، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء ص ۱۶۹

۳۵۔ ایضاً ص ۱۷۲ ۳۶۔ ایضاً ص ۱۷۴۔۱۷۳ ۳۷۔ ایضاً ص ۱۷۵

۳۸۔ جمیل انجم، پروفیسر، اُردو ادب، لاہور، علمی کتاب خانہ، س ن، ص ۲۹۴

۳۹۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اُردو تنقید کا ارتقاء، کراچی، انجمنِ ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۹

۴۰۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، جدید اُردو ادبیات، کراچی، فیروز سنز لمیٹڈ، س ن، ص ۳۷